مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین ارض فلسطین کی مذہبی اور تاریخی حیثیت: ایک تحقیقی و تقابلی جائزہ

THE RELIGIOUS AND HISTORICAL STATUS OF PALESTINE BETWEEN MUSLIMS AND JEWS: A RESEARCH AND COMPARATIVE STUDY

فاطمہ حسن*

ڈاکٹر محمد مہربان باروی**

ABSTRACT

The land of Palestine carries importannce in terms of Abrahamic Prophets. In past, this land has been called “Canaanite Land” or “Holy/Sacred Land” for the three major Abrahamic religions: Judaism, Christianity and Islam. In Judaism, it is believed as per Hebrew Bible that the God promised and bestowed this sacred land to Abraham (P.B.U.H) and his descendants. Around 333 B.C, this land was named “Palestine” under the occupation of Greeks. In 1200 B.C, when 12 tribes of Israel conquered Palestine, since then it has been called “the Land of Israel”. Thousands of Abrahamic prophets belong to this sacred land, their graves and remains make this land sacred for the belivers of Abrahmaic religion. The aim of my research is to study and give the academic perspective and research analysis over current regional conflict between Jews and Muslims on the Land of Palestine. In this research, I have attempted to carried out a detailed study on the historic significance of the Land of Palestine in Abrahamic books.

KEYWORDS: Muslim, Herbew, conflicts, Palestinenian, dome of rock, historical facts, Torah text, divine perspective, human rights

موضوع کا تعارف

فلسطین کا علاقہ انبیاء کرام علیہ السلام کی آمد اور بعثت کے حوالے سے ہزاروں سال سے خصوصی اہمیت کا کا حامل ہے۔ اس کا حدود اربعہ روم کے مشرقی ساحل کے ساتھ جنوب میں غزہ سے جنوبی لبنان تک اور مغرب میں ان علاقوں تک پھیلا ہوا ہے جن کی سرحد دریائے اردن ہے۔ زمانہ قدیم میں اسے ملک کنعان یا ارض مقدس بھی کہا گیا

* ایم فل ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی fatima.azeem30@gmail.com

** استاذ شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی mehrbanbarvi2@yahoo.com

ہے۔ آل یہود اسے ملک موعود بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کی مذہبی کتاب کے مطابق خدا نے یہ ملک ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بارہ سو قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں نے اس علاقے کو فتح کر لیا تو یہ ملک "اسرائیل" کہلایا جانے لگا۔ تقریباً ۳۳۳ قبل مسیح میں یہ علاقہ یونانیوں کے زیر تسلط آیا تو اس کا نام فلسطین مشہور ہوا۔ اسی مبارک سرزمین میں بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء کرام علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آج بھی ان کی مبارک قبور اس سرزمین پر موجود ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے نائب حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد میں فلسطین میں وارد ہونے کی وجہ سے اسرائیلی اس دعوے میں بضد ہیں کہ یہ ملک خدا نے انہیں اور ان کے آباء واجداد کو دائمی طور پر عطا کیا ہے۔ دوسری طرف اہل مسیحیت ہیں جن کے نزدیک یہ سرزمین اس لحاظ سے مبارک ہے کہ عیسی علیہ السلام سمیت ان کے حواریوں کی اولین تبلیغی مساعی کا مرکز یہی مقدس خطہ تھا اور اسی سرزمین پر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور یہی انہیں صلیب پر لٹکایا گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک ارض مقدس کے اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ شب معراج کو امام الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرزمین میں واقع مقدس شہر یروشلم میں تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو نماز پڑھائی تھی۔ اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کی آل اولاد کو یہ ملک دینے کا وعدہ کیا تھا اور ان کی آل میں بنی اسرائیل کے ساتھ بنی اسماعیل بھی شامل ہیں۔ لہٰذا بنی اسمٰعیل کی وساطت سے اس سرزمین کے حق دار مسلمان ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور میں اسرائیل کے قیام کے بعد ارض فلسطین کی تولیت کا مسئلہ ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق میں یہود اور مسلمانوں کے دعویٰ تولیت پر تحقیقی اور تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت وافادیت

موجودہ دور میں اسرائیل کے قیام کے بعد میں مسئلہ فلسطین عصر حاضر میں امت مسلمہ کے لئے ایک گھمبیر مسئلہ بن چکا ہے جس کے سدباب کے فوری کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے ان دعوؤں کی حقیقت کا ادراک وقت کی اہم ضرورت بن چکا ہے لہٰذا اس معاملے کی درست تفہیم اور دعوؤں کی صداقت وکذب اس سنگین مسئلے کا درست حل پیش کر سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تحقیق میں اس حوالے سے اہمیت وافادیت کے پیش نظر سر کچھ نکات پر غور وفکر کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

- اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ عصر حاضر میں مسئلہ فلسطین کے معاملے میں سامی اقوام کے رہنما قرآن وحدیث اور بائبل کی تعلیمات کی روشنی میں باہم مناظرہ کریں تاکہ صحیح حقائق سامنے آسکیں اور حقائق پر لوگوں کو غور و

فکر کرنے کا موقع ملے۔

- عصر حاضر میں ارض فلسطین کا مسئلہ مسلم امت کے لیے انتہائی نازک مسئلہ بن چکا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ کے جانبدارانہ رویے کی وجہ سے مسلمان کے مظالم کا شکار ہیں اور اپنے ہی ملک میں بے سر و ساماں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سامی اقوام کے رہنما حقائق سامنے آجانے کی صورت میں باہمی مشاورت سے اس مسئلے کا پر امن حل نکال سکیں۔
- اس تحقیق کا مقصد ارض فلسطین کی تاریخ اور الہامی مذاہب سے متعلق علمی و تحقیقی مواد پر غور و فکر کرنا اور صحیح حقائق کو سامنے لانا ہے۔ لہٰذا علمی لحاظ سے تقابل ادیان کے طلباء ان کو میری اس تحقیق سے سے علمی فائدہ ہو گا کیونکہ میری تحقیق کا دائرہ صرف قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ تک محدود نہیں ہے بلکہ سابقہ الہامی کتب اور یہود و نصاریٰ کی تاریخ بھی میری تحقیق کا حصہ ہے لہٰذا تقابل ادیان اور تاریخ کے طلبہ کو میری اس تحقیق سے سے بے پناہ فائدہ ہو سکتا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ

ارض مقدس فلسطین کی تولیت کے حوالے سے مسلم امت میں غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اہل قلم اس موضوع کے حوالے سے بھرپور اپنی رائے کا کا اظہار کرتے ہیں اور مسجد اقصیٰ کی تولیت کے حوالے سے قرآن و حدیث سے دلائل بھی دیتے ہیں۔ اس طرح یہ موضوع مسلم امت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اپنی اس تحقیق میں مختلف مقالہ نگاروں کے مقالے سے بھرپور تحقیقی اور علمی میں فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ان میں سے چند مقالوں کے نام تحریر کر رہی ہوں جس سے اس موضوع کے حوالے سے سابقہ کام کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ یہ مقالہ پہلے مختلف ویب سائٹ سے لیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت اہم کتاب: مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کی کیا اہمیت ہے اور کیا اس میں یہودیوں کا بھی کوئی حق ہے؟ مقالہ نگار صالح منجد۔

ارض فلسطین کی تاریخی حیثیت کا جائزہ

حضرت نوحؑ تا حضرت یعقوبؑ کے ادوار میں ارض فلسطین کی تاریخ

اسلامی تاریخ کے اعتبار سے ارض فلسطین کی تاریخ انبیاء کے ادوار سے شروع ہوتی ہے۔ طوفان نوح کے بعد نسل انسانی کا دوبارہ ارتقاء ہوا۔ اس ضمن میں میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام اور یافث سے جاری ہونے والی نسلیں دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہوئیں۔ انہیں بیٹوں میں سے سام کے مزید چار بیٹے ہیں جن میں سے کنعان

کی نسل سرزمین فلسطین پر میں آکر آباد ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور میں فلسطین کا نام کنعان تھا اور یہاں کے رہنے والوں کو اہل کنعان کہا جاتا تھا۔ آج کنعان کا جدید نام ارض فلسطین ہے جہاں سے انبیاء اور مذہب اسلام کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔[(1)]

اللہ تعالی نے ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سرزمین کنعان کی طرف مبعوث کیا۔ آپ علیہ السلام بحکم خداوندی حاران سے ہجرت کر کے سرزمین کنعان کی طرف آئے اور یہیں سے سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا گیا۔ سرزمین کنعان پر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کی نسل آباد تھی اور اہل کنعان میں حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے اثرات باقی تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اہل کنعان میں بھی کچھ بداعمالیاں رونما ہو چکی تھیں لیکن اس کے باوجود اہل کنعان میں نوح علیہ السلام کی شریعت کے اثرات زیادہ تر موجود تھے، یہی وجہ ہے کے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی اہل کنعان میں اللہ کی تعلیمات لے کر آئے اور لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی تو آپ علیہ السلام کو بہت زیادہ مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ اہل کنعان نے انہیں دعوت دی۔ سرزمین کنعان ایک عرصے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنی رہیں بعد ازاں آپ علیہ السلام نے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے مقاصد کے پیش نظر یہاں پر مساجد بنوائیں۔ انہیں مساجد میں سے ایک مسجد ''مسجد اقصیٰ'' ہے جو تاریخی اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے وابستہ ہے۔ مسجد اقصی کے قیام کی بنیاد اسلام ہے جہاں پر اہل کنعان کی اسلامی نقطہ نظر سے اصلاح کا انتظام کیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد سرزمین کنعان حضرت اسحاق علیہ السلام سلام اور یعقوب علیہ السلام کا تبلیغی مرکز رہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تبلیغی مرکز سرزمین حجاز میں قائم ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں بعثت کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام بیٹوں کے ہمراہ مصر منتقل ہو گئے جہاں پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل کی حکومت کا آغاز ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار کے دور تک بنی اسرائیل مصر میں اپنی حکومت کے ساتھ قائم رہے لیکن یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کے زوال کا آغاز ہوا اور وہ اس دور میں ایک ظالم قبطی قوم کی غلامی میں چلے گئے۔ اس غلامی کے دور میں بنی اسرائیل انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے اور سرزمین کنعان پر سے انبیاء کا تبلیغی مرکز ختم ہو چکا تھا۔ بنی اسرائیل انبیاء کی اولاد ہونے کے باوجود تبلیغی فرائض کو بھول چکے تھے بلکہ بے شمار دینی اور اخلاقی خرابیوں کا شکار ہو کر غلامی اور پستی کا شکار ہو گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ تا حضرت عیسیٰؑ کے ادوار میں ارض فلسطین کی تاریخ

بنی اسرائیل قبطیوں کی غلامی میں جانے کے بعد ایک طویل عرصہ تک غلامی اور ظلم کا شکار رہی ہے۔ اس غلامی کی زندگی کی وجہ سے بنی اسرائیل اخلاقی تنزلی اور مذہبی زوال کا شکار ہو چکے تھے چنانچہ اللہ تعالی نے ان کی ہدایت و اصلاح اور فرعون کے ظلم سے نجات کے لئے حضرت موسی علیہ السلام کو ان میں مبعوث فرمایا۔ حضرت موسی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کو دوبارہ سرزمین فلسطین کی طرف آباد کرنا اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات کی طرف رہنمائی کرنا تھا تاکہ بنی اسرائیل اپنے مذہبی فرائض اور قیادت کی طرف لوٹ آئے۔ اس مقصد کے پیش نظر حضرت موسی علیہ سلام کی قیادت میں بنی اسرائیل دریائے نیل کو پار کرتے ہوئے مدائن صالح آتے ہیں جہاں اللہ تعالی کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ دوبارہ فلسطین میں قیام کے حصول کے لیے وہاں پر پہلے سے آباد ایک ظالم قوم عمالقہ سے جہاد کریں اور انبیاء کی سرزمین کو دوبارہ حاصل کر کے یہاں پر دین اسلام کو نافذ کریں۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہود ایک انتہائی سرکش اور نافرمان قوم واقع ہوئی ہے۔ جنہوں نے انبیاء کی نہ صرف نافرمانی کی بلکہ اللہ کے حدود کو پامال کیا۔ انبیاء کی حق تلفی میں اس حد تک آگے بڑھے کہ انہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ تو قوم نے کہا اے موسی تم اور تمھارا رب جاؤ لڑائی کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ (2)

یہود کے اس جواب کی وجہ سے ان پر اللہ تعالی کا غضب نازل ہوا جس کے نتیجے میں صحرائے سینا میں یہ 40 سال تک بھٹکتے رہے۔ اس عرصے کے بعد بنی اسرائیل کی نوجوان نسل میں یوشع بن نون اللہ تعالی کی طرف سے بحیثیت پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں جن کی قیادت میں بنی اسرائیل دوبارہ متحد ہو کر اپنے آبائی وطن فلسطین کو حاصل کرنے کے لیے جہاد کا آغاز کیا اور اللہ تعالی کے اذن سے یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں ارض فلسطین کو حاصل کرنے کے بعد یہ قوم آباد ہوئی۔ بنی اسرائیل میں حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالی ان کی اصلاح کے لئے مبعوث فرماتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا دور یہودی تاریخ میں ایک اہم دور ہے کیونکہ کہ ان کے دور میں یہودیوں کے اقتدار کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہودیوں کو فلسطین میں از سرنو آباد کرنے اور انہیں مستحکم کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور آپ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں یہودیوں کو فلسطین پر سیاسی مذہبی اور سماجی سطح پر عالمی اقتدار حاصل ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دور میں ارض فلسطین پر ہیکل سلیمانی تعمیر کی جو کہ یہودیوں کے ایک مذہبی عبادت گاہ ہے۔ آج بھی یہودی مسجد اقصی کو گرانے کے بعد یہاں پر سلیمان علیہ سلام کے دور کی مانند سیاسی اور سماجی اقتدار اور ہیکل سلیمانی کو از سرنو بنانا چاہتے

ہیں اور اپنی جد وجہد میں مسلمانوں کے خلاف سر گرم ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یہودی دوبارہ اپنی نافرمانی کے باعث اخلاقی اور مذہبی تنزلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ایک طویل عرصے تک گمراہی میں بھٹکتے ہیں لیکن اللہ تعالی اپنی حجت تمام کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرماتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کرتے ہیں بلکہ فلسطین کے وہ یہودی علماء جو اپنی قوم کو گمراہ کرنے پر مامور تھے ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے اللہ کے عذاب سے آگاہ کرتے ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز بھی ارض فلسطین رہا۔ حضرت موسی علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادوار میں بنی اسرائیل پر بے شمار عروج وزوال کا دور آیا اور ان تمام ادوار میں بیت المقدس اغیار قوم کے ہاتھوں تباہ و برباد بھی ہوئی۔ لیکن ہر آنے والے نبی نے اپنے عہد میں بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر و توسیع اپر توجہ دی۔ حضرت موسی علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک انبیاء کی تعلیم و تبلیغ کا مرکز ارض فلسطین پر یہود کی اصلاح رہا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ ارض فلسطین انبیاء کی تعلیمات کا مسکن رہا ہے جہاں انہوں نے ایک طویل عرصے تک عوام کو بالخصوص بنی اسرائیل کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں سرزمین فلسطین کی تاریخ کا سنہری پہلو

عہد رسالت میں ارض فلسطین کی تاریخ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کے واقعے سے وابستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ رجب کو معراج کے سفر پر روانہ ہوئے[3] ۔ جس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے سب سے پہلے ارض فلسطین پر مسجد اقصیٰ کی زیارت کروائی۔ارض فلسطین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام تمام انبیاء کے امام اور سردار ہیں۔ مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصی دونوں قبلوں کے تولیت کے خصوصی حامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اسی بات کے پیش نظر اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری اور سروری کو تمام انبیاء علیہ السلام پر ثابت کرنے کے لیے سفر معراج کے موقع پر مسجد اقصیٰ میں نماز کے ادائیگی کے لیے تمام انبیاء کا امام متعین کیا۔ [4]

عہد خلفائے راشدین تا عثمانی دور حکومت کے ادوار میں ارض فلسطین کی تاریخ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام عرب پر اسلام کا غلبہ وہ ہو چکا تھا لیکن عرب سے باہر اطراف کے شہر و ممالک میں اسلام داخل نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارض فلسطین پر بھی یہود و نصاریٰ کا تسلط قائم تھا۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلفائے راشدین کے عہد کا آغاز ہوتا ہے تو اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ آپ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ کار تین براعظموں پر مشتمل ہو چکا تھا۔ آپ کے عہد میں مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں نے عرصہ دراز کے بعد اپنی حکومت قائم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فلسطین فتح کیا تو یہاں پر مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی اور مسجد عمر بھی بنائی گئی۔ (5)

حضرت عمر کے دور کے بعد عبد الملک بن مروان نے اپنے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر و توسیع پر خاص توجہ دیتے ہوئے قبۃ الصخرہ بنایا۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس کے دور حکومت کے آواخر میں مسلمان اخلاقی و سیاسی اور مذہبی اعتبار سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ۴۹۰ ہجری میں عالم اسلام پر تمام اطراف سے صلیبی فوجوں نے حملہ کیا۔ اس وقت مسلمان نہایت خستہ حال تھے اور یہی وہ دور تھا جب بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ مسلمانوں کے اس افراتفری کے دور میں ایک مرد مجاہد سلطان نور الدین زنگی جو مصر کے گورنر بھی تھے اور انہیں حضرت عمر بن عبد العزیز کا نائب بھی سمجھا جاتا ہے۔ یہ استعماری قوتوں کے خلاف بر سر پیکار ہوئے لیکن مقصد میں زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ چناچہ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کو مصر کا گورنر بنایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہ عظیم مرد مجاہد ہیں جنہوں نے بیت المقدس کی آزادی کی جدوجہد کو اپنے اوپر فرض کر لیا تھا لہذا انہوں نے اپنی پوری زندگی کافروں سے جہاد کرتے ہوئے گزاری اور بالآخر تقریبا ۹۰ برس کے بعد ۵۸۳ ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں مسجد اقصیٰ دوبارہ مسلمانوں سے آباد ہوئی اور یہاں اسلامی نظام قائم ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد ۶۲۲ ہجری میں بغداد کی مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کی وجہ سے اور مسلمانوں کی اخلاقی اور سیاسی کمزوریوں کی وجہ سے دشمنان اسلام کو دوبارہ موقع ملا اور ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس دور میں بنو عباس کی حکومت کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا۔ بنو عباس کے بعد آل سلجوق کے ذمے مسلم امت کی قیادت کی ذمہ داری آئی۔ چنانچہ ایک عرصے تک آل سلجوق مسلم امت کی نمائندگی کرتے رہے لیکن بعد ازاں ان کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے مسلم امت زوال کا شکار ہوئی اور ان کے دور حکومت میں فلسطین دوبارہ عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے عثمانی ترک قوم کو ایمان کی دولت سے بہرہ مند کیا اور انہوں نے اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اسلامی نظام قائم کیا بلکہ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے سرزمین فلسطین کو بھی اسلامی حکومت میں دوبارہ شامل کیا اور اس طرح پانچ سو سال تک عثمانی ترکوں کی حکومت عالم اسلام کی نمائندگی کرتی رہی۔

دور استعمار میں ارض فلسطین پر یہودیوں کا اقتدار

۱۹۱۷ء میں bellford declaration کے تحت اسرائیل کے قیام کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ جس کے تحت برطانیہ نے یہودیوں کو اسرائیل کا خطہ اراضی دے دیا تھا۔ اسی دور میں پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو شامل کیا گیا جس میں انہیں شکست ہوئی۔ اس شکست کے نتیجے میں حجاز مقدس میں ترکوں اور عربوں کے درمیان بغاوت کا سلسلہ شروع ہوا کیونکہ عربوں نے برطانویوں کے ساتھ مل کر ترکوں کے اقتدار کے خاتمے کے لیے پس پردہ سازش طے کر رکھی تھی۔ اس سازش کے نتیجے میں حجاز مقدس میں بغاوت ہوئی اور ترک حجاز مقدس سے اپنا اقتدار کھو دیتے ہیں۔ دوسری طرف بغاوت کے نتیجے میں معاہدہ کے تحت بیت المقدس کو (trust territory) کے طور برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس طرح بیت المقدس یہودیوں کے زیر اقتدار آ گیا۔ ۱۹۲۳ء میں عثمانی سلطنت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا جس کے بعد مسلم امت پچاس ممالک میں تقسیم ہو گی۔ ۱۹۴۰ء میں دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کو شکست ہوئی جس کے بعد برطانوی استعمار کا برصغیر اور دیگر عرب ممالک سے انخلاء کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس برطانوی انخلاء کے نتیجے میں ۱۹۴۷ء پاکستان معرض وجود میں آیا۔ دوسری جانب یہودیوں نے شور مچایا کہ دوسری جنگ عظیم میں جرمن نازیوں نے ان کا قتل عام کیا ہے لہذا انہیں ایک علیحدہ ریاست دی جائے۔ اس احتجاج پر ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ اسرائیلی ریاست کو تسلیم کر دیا گیا اور آج فلسطین پر اسرائیلیوں کی حکومت ہے۔(6)

دور استعمار میں عثمانی حکومت کا خاتمہ اور امت مسلمہ کا زوال

یہودی ایک مذہبی تاریخ رکھتے ہیں اور اسی اعتبار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت کی مانند دنیا پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں یہودی فلسطین میں سیاسی، مذہبی، معاشی اقتدار حاصل تھا۔ لہذا آج یہودی اپنے سابقہ اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے ارض فلسطین پر مذہبی وسیاسی اعتبار سے حق تولیت کا دعویٰ کرتے ہیں، کہ دریائے نیل سے دریائے فرات تک صرف اور صرف یہودیوں کی حکومت ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہودی فلسطین پر اپنے اقتدار کو قائم کرنے کے لیے مختلف سازش کرتے چلے آرہے ہیں۔ دور استعمار میں یہودیوں نے اندرونی اور بیرونی سازشوں کے ذریعے عثمانی سلطنت کو کمزور کر دیا تھا۔ چونکہ ترکی عالم اسلام کا مرکز تھا اور اسلامی حکومت تین براعظموں پر مشتمل تھی جہاں اسلامی نظام نافذ تھا اور بیت المقدس ترکوں کی حکومت کا حصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے یہودیوں نے عالمی سازش کے تحت ۱۹۲۳ء میں عثمانی دور حکومت کا خاتمہ کیا۔ اس سازش کے تحت عالم اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور

مسلم امت پچاس ممالک میں تقسیم ہو گی اور اسلامی خلافت کا نظام لپیٹ دیا گیا اور مغربی نظام کو تمام اسلامی ممالک پر نافذ کر کے ارض فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں دے دیا گیا۔

مذہبی اعتبار سے ارض فلسطین کی تاریخی حیثیت کا جائزہ

تورات کے نصوص کی روشنی میں ارض فلسطین کی اہمیت

مذہبی اعتبار سے یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ سرزمین فلسطین کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کو منجانب اللہ ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس اعتبار سے اللہ تعالی نے اولاد یعقوب یعنی بنی اسرائیل کو سرزمین کنعان دینے کا وعدہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہود دور حاضر میں ارض فلسطین پر حق تولیت کے لیے مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔

ذیل میں یہود کے مذہبی دعوی کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ یہودیوں کی الہامی کتاب تورات میں ان کے عقائد و اعمال، تاریخی حقائق و انجام کی تفصیل ہے جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے وطن، اپنے رشتہ داروں اور اپنے آباء و اجداد کے درمیان سے نکل کر اس ملک میں جائیں۔ جہاں خدا کی طرف سے جانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور وہ ملک "ملک کنعان" ہے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام سفر کرتے ہوئے ملک کنعان پہنچے۔ یہاں پر اللہ تعالی کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا گیا کہ ملک کنعان ان کی اولاد کو دیا جائے گا۔ جہاں ان کی نسل آباد ہو گی چنانچہ اس وعدے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی آل اولاد کے ہمراہ کنعان میں مقیم ہوئے اور یہاں پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔[(7)]

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں سرزمین کنعان کو یہود ارض موعودہ قرار دیتے ہیں یعنی وہ زمین جس کا خدا نے انہیں دینے کا وعدہ کیا ہے اس حوالے سے یہود کی الہامی کتاب میں ارض موعودہ کے حوالے سے ایک واضح بیان بھی موجود ہے جس کا مفہوم ہے کہ:

تورات میں ہی دوسری جگہ یہود کے حوالے سے زمین کے تعین کا ذکر آیا ہے کہ یہودیوں میں عرض موعودہ کی بابت بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ان کی مذہبی کتاب تورات میں یہ بھی بیان ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ارض موعودہ کے حوالے سے وضاحت دیتے ہوئے فرمایا: میرے مرنے کے بعد خدا تمہارے ساتھ ہو گا اور خدا تم کو واپس اپنے آباؤ اجداد کے ملک میں لے جائے گا۔[(8)]

کیونکہ یوسف علیہ السلام کی وجہ سے تمام بنی اسرائیل مصر میں آکر آباد ہوگئے تھی لیکن مندرجہ بالا بیان میں یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے پر یہ واضح کر رہے ہیں کہ اللہ کی مرضی سے کنعان انبیاء کا مرکز بنے گا یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں مدفن ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل مکمل طور پر اخلاقی، سیاسی اور مذہبی طور پر قبطیوں کی غلامی میں جاچکے تھے۔اس عرصے میں حضرت موسی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دینے کے لیے اللہ تعالی کے حکم سے اپنی قیادت کے اندر سرزمین کنعان کی طرف ہجرت کرنے پر آمادہ کیا۔ جس پر بنی اسرائیل کے رد عمل کا تذکرہ بائبل میں ان الفاظ میں موجود ہے:

جب کالب نے موسی علیہ السلام کے سامنے لوگوں سے کہا کہ چلو ہم یک دم اہل کنعان پر حملہ کر دیتے ہیں تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اہل کنعان ہم سے زیادہ زورآور ہیں اس اعتبار سے ہم اس لائق نہیں ہیں کہ ہم اس زورآور قوم کا مقابلہ کر سکیں۔[9] اس جرات اور بے بے وقوفی کی اللہ تعالی نے سزا دی کہ وہ 40 سال تک جنگل وبیاباں میں بے یارو مددگار پھرتے رہیں گے۔[10]

اس طرح تورات میں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل سے مشروط نوعیت کا وعدہ کیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اللہ کے احکامات کی اطاعت کریں تو وہ اللہ کے انعام اور زمین پر اقتدار کے مستحق ہیں اور یہی اللہ کا اصول ہے۔ تورات میں اس حوالے سے ذکر ہے کہ:

بنی اسرائیل احتیاط رکھو اس عہد کے معاملے میں جو تم نے خداوند سے کیا ہے اور ہرگز اس عہد کو بھولنا نہیں اور اپنے لیے کوئی شبیہ یا مورتی نہ بنانا جس کو تم خدا کے سوا پرستش کرنے لگو کیونکہ خدا نے شرک اور بت پرستی سے منع کیا ہے۔[11]

مندرجہ بالا تورات کے بیانات کی وضاحت

- مندرجہ بالا تورات کی آیات میں سب سے پہلے یہ بات قابل ذکر ہے کہ کنعان جس کا جدید نام فلسطین ہے، قوم نوح نو آباد تھی۔ یہاں اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم کی اصلاح کے لیے بھیجا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور ان کی نسل کا مرکز فلسطین بیت المقدس بنا اور اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مرکز حجاز مقدس بنا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی دونوں اولادیں اہل ایمان میں سے ہیں۔ اللہ تعالی ان آیات میں اہل ایمان کو مخاطب کرکے سرزمین کنعان کی طرف جانے کا حکم دے رہے ہیں بلکہ اس علاقے میں میں اہل ایمان کے اقتدار کے حوالے سے بھی تذکرہ موجود ہے۔

- چونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کا مرکز کنعان کا علاقہ تھا اور انہیں کی نسل سے بنی اسرائیل کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس لحاظ سے یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ تورات میں ان کے اقتدار کا تذکرہ موجود ہے اور اس حوالے سے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اپنی حکومت کو محور و مرکز بناتے ہوئے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں سرزمین کنعان یعنی فلسطین بیت المقدس میں دوبارہ اپنا اقتدار حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرسکیں۔ اس اعتبار سے سے یہود و نصاریٰ مندرجہ بالا آیات سے یہ استدلال بھی لیتے ہیں کہ ان کے اقتدار کا محور و مرکز دریائے مصر سے دریائے فرات تک ہوگا۔[12]
- اس حوالے سے یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہود اپنے آپ کو اللہ کی واحد چنیدہ اور پسندیدہ قوم قرار دیتی ہے اور اس زاویے سے وہ دیگر اقوام کو گمراہ اور حقیر گردانتی ہے۔ یہود ایسی قوم ہے جو سرزمین بیت المقدس پر اپنے حق ملکیت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ایمانی لحاظ سے یہ انتہائی سرکش قوم رہ چکی ہے۔ انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تعلیمات کو رد کردیا بلکہ انبیاء کا قتل کیا اور گمراہی کے ہر پہلو کو اختیار کیا۔ دوسری طرف سرزمین فلسطین کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کر کے اللہ کے دین کے یہاں تبلیغ کی اور اسلامی نظام کو نافذ کیا۔
- مندرجہ بالہ تورات کے اقتباس میں یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام امام اپنے تمام بیٹوں کے ہمراہ مصر میں مقیم ہوگئے تھے اور بنی اسرائیل کا تعلق کنعان سے ختم ہو چکا تھا۔ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی میں گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں آزاد کرایا۔ اس موقع پر انہیں اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ فلسطین پر حملہ کریں اور اس کو حاصل کریں لیکن یہ قوم غلامی میں رہ کر بے شمار بداعمالیوں کا شکار ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے فلسطین پر حملہ کرنے سے انکار کردیا۔ بعد کے ادوار میں یوشع بن نون کی قیادت میں انہوں نے فلسطین کا کچھ حصہ فتح کرلیا۔
- تورات میں اللہ تعالی نے ان کے ساتھ مشروط نوعیت کا یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا اور نافرمانی سے گریز کیا تو ان پر اللہ کا انعام و رحم ہوگا۔ لیکن اس قوم کا معاملہ برعکس ہے۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس قوم نے ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ انہوں نے انبیاء کا قتل کیا، الہامی کتابوں میں تحریف بھی کی، حتیٰ کہ شرک کے بھی مرتکب ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قوم خود پسندی اور تکبر کا شکار رہ کر دیگر اقوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرتی ہے اور ان کے حقوق کو غصب کرتی ہے۔ لہٰذا یہود مندرجہ بالا تورات کی اقتباس سے یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ بیت المقدس پر ایمانی یا نسلی لحاظ سے اپنا کوئی حق رکھتے ہیں کیونکہ یہ مقدس سرزمین انبیاء کی سرزمین ہے۔

قرآن و حدیث کے نصوص کی روشنی میں ارض فلسطین کی اہمیت

مسجد اقصیٰ کی اہمیت و عظمت یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں مذاہب میں مسلم ہے۔ یہود کا دعویٰ ہے کہ خاندانی نقطہ نظر سے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں لہذا وہ بیت المقدس کی قبولیت پر اپنا حق رکھتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کی نسبت سے ان کی نسل کو یہودی کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر ایمانی لحاظ سے مسجد اقصیٰ کی تولیت کے حوالے سے دیکھا جائے تو مسلمان حق تولیت یہودیوں سے زیادہ رکھتے ہیں کیونکہ انبیاء کے وارث اہل ایمان ہیں اور بیت المقدس انبیاء کی سرزمین ہے قرآن مجید میں مسلمانوں کو ملت ابراہیمی کا اصلی وارث قرار دیا جا چکا ہے۔(13)

درج بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے بلکہ وہ یکسو مسلم تھے۔ اس اعتبار سے مسلمان ملت ابراہیم کے اصل وارث قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں ایک اور مقام پر محض خاندان کی بنیاد پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ یہود کے خاندانی تعلق کی نفی فرمائی گئی ہے۔(14)

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خاندان کی بنیاد پر یہود نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ اور دیگر انبیا کے ساتھ تعلق قائم کیا تھا۔ اللہ تعالی نے اس کی نفی فرما دی ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام اہل ایمان میں سے ہیں جو اللہ کو ایک مانتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہودیوں نے نہ صرف اللہ اور اس کے نبیوں کی نافرمانی کی ہے بلکہ سرکشی میں وہ اس حد تک آگے بڑھے ہیں کہ انہوں نے شرک و کفر کا ارتکاب کیا ہے اس لحاظ سے یہود نہ انبیاء کے وارث ہیں اور نہ ہی بیت المقدس کے وارث رہے ہیں۔

احادیث میں بیت المقدس پر مسلمانوں کے حق تولیت کے حوالے سے واضح دلائل موجود ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ اول بیت اللہ سے قبل بیت المقدس تھا۔ مسلمان ابتدائے اسلام میں ۱۶ تا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے رہے اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی موجود ہے۔(15)

مسجد اقصیٰ روئے زمین پر بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد ہے کہ جس کو عبادت الٰہی کے لیے تعمیر کیا گیا۔ حدیث میں بیان ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلی مسجد بیت الحرام ہے اور دوسری مسجد اقصیٰ۔(16)

مذکورہ حدیثوں میں بیت المقدس کی اہمیت وفضیلت ذکر ہوئی کہ اس کا شمار اسلام کی تین اہم مساجد میں سے ہوتا ہے، جس کیلئے سفر کرنا جائز ہوا۔ (17)

درج بالا حدیث میں فضیلت بیان ہوئی ہے کہ جس طرف بیت اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرنا بارگاہ الٰہی میں اجر وثواب کا حامل ہے۔ اسی طرح مسجد اقصی کی زیارت کے لئے لئے سفر کرنا بھی اجر ثواب کا ذریعہ ہے۔

ارض فلسطین پر یہود کے دعویٰ کا تحقیقی جائزہ

1) ارض موعود ہونے کے اعتبار سے

یہودی بیت المقدس کے حوالے سے ارض موعود کا تصور دیتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی الہامی کتاب تورات میں اللہ تعالی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد کو دریائے مصر سے لے کر دریائے فرات (عراق) زمین اور اقتدار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی نسبت سے ارض فلسطین پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس معاملے میں یہود نبی کریم ﷺ کی امت سے متعصبانہ رویہ رکھتے ہوئے بیت المقدس پر ان کے حق تولیت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہود اپنی بد اعمالیوں سے صرف نظر رکھتے ہوئے صرف نسبی اعتبار سے وابستگی کو بنیاد بناتے ہوئے موجودہ دو میں فلسطین پر اپنے اقتدار کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس معاملے میں یہود فلسطین میں مقیم مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہوئے جبری انخلاء کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہود کا یہ عمل قرآن وسنت اور سابقہ الہامی کتابوں کی روشنی میں قابل مذمت اور قابل گرفت ہے۔ (18)

2) انبیاء کی اولاد ہونے کے اعتبار سے

یعقوب علیہ السلام کا مسجد اقصی کی تعمیر کرنے سے یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ مسجد اقصیٰ کے حقدار ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام موحد اور توحید پرست تھے اور یہودی مشرک ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہودی مشرک توحید کی بنیاد پر بننے والی اس مسجد پر کچھ بھی حق رکھیں؟ یعقوب علیہ السلام نے ان کے لیے یہ مسجد اس لئے بنائی کہ اسمیں اہل توحید نماز پڑھی اور اللہ تعالی کی عبادت کریں اگرچہ وہ ان کی اولاد کے علاوہ کوئی اور ہی کیوں نہ ہو، اور مشرکوں کو اس سے دور کیا جائے چاہے وہ ان کی اولاد میں سے کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ انبیاء کی دعوت نسلی نہیں بلکہ تقوی پر مشتمل ہوتی ہے۔

3) سرزمین فلسطین سے تاریخی نسبت کے اعتبار سے

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ فلسطین میں سب سے پہلے بود وباش اختیار کرنے والے کنعانی تھے جو کہ حضرت نوح

علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے کنعان میں رہائش اختیار کی۔ یہ ایک عرب قبیلہ تھا جو کہ جزیرہ عرب سے فلسطین میں آیا اور ان کے آنے کے بعد سے اسے عصر حاضر میں فلسطین کا نام دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنعان میں منتقل ہونے سے بھی پہلے یہاں عرب مقامی باشندے آباد تھے۔ اس طرح تاریخی اعتبار سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا نا تو اب کوئی حق اور نہ ہی اس سے پہلے کوئی حق تھا۔

4) ایمان اور عمل کے اعتبار سے

اگر ایمانی لحاظ سے یہود کے دعویٰ کا جائزہ لیا جائے تو چونکہ سرزمین فلسطین انبیاء کی سرزمین ہے۔ جہاں انہوں نے اسلامی نظام نافذ کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ اگر ہم یہود کے عقائد کا جائزہ لیں تو یہود کافرانہ اور مشرکانہ عقائد کے مالک ہو چکے ہیں۔ عقائد کے اعتبار سے یہود اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں کہ انبیاء کو نعوذ باللہ ابن اللہ قرار دیتے ہیں، بت پرستی بھی کرتے ہیں۔ جب بھی ان میں نبی آئے اور انہوں نے اللہ کے پیغام کی دعوت دی تو اس قوم نے ہمیشہ انبیاء کی نافرمانی کی بلکہ ان کے بڑوں نے سرکشی میں آکر انبیاء کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ یہودی علماء خود بھی گمراہ تھے اور عوام کو بھی گمراہ کرتے۔ اس لحاظ سے یہ قوم انبیاء کی وارث قرار نہی دی جاسکتی۔

5) انبیاء میں تفریق کرنے کے اعتبار سے

بیت المقدس سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنائی پھر حضرت داود علیہ السلام نے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی۔[19]

مندرجہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو بھی یہودی اور عیسائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لے کر آئے وہ کافر ہے اور کافر مسلمانوں کی بنائی ہوئی عبادت کا کیسے حقدار ہو سکتا ہے؟ اس لحاظ سے بیت المقدس پر اس وقت تک یہودیوں کا حق تھا جب تک وہ مسلمان تھے۔ آج بھی اگر یہودی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو وہ بیت المقدس کی تولیت کے حقدار ہیں۔ لیکن اگر یہود اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے پھر جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہ لائے تو اس حیثیت سے انہیں بیت المقدس کا وارث قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ارض فلسطین پر مسلمانوں کے دعویٰ کا تحقیقی جائزہ

1) تمام انبیاء دین اسلام کے پیروکار ہیں

مسجد اقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کا شرعی اور ایمانی حق ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی دنیا میں آئے. وہ سب عقیدہ توحید پر قائم تھے. تمام انبیاء ایک اللہ کو مانتے اور اس کے پیغام کی دنیا میں دعوت و تبلیغ کرتے رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب انبیاء کا دین اور عقیدہ ایک ہی ہے کیونکہ ان سب کے دین کا منبع اور مصدر ایک وحی ہے جس سے سب انبیاء نے اپنی دینی تشنگی دور کی۔ اگرچہ مختلف ادوار میں مختلف انبیاء آئے اور ان کی شریعتوں میں اختلاف ضرور ہے لیکن عقیدے اور دین کے اعتبار سے تمام انبیاء دین اسلام پر تھے۔ جبکہ کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی تعلیمات کے برعکس کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ اس لحاظ سے بیت المقدس انبیاء کی بنائی ہوئی مسجد ہے لہذا عقائد کے اعتبار سے مسلمان بیت المقدس کی تولیت کے حقدار ہیں۔

2) آپ ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لے کر آئے تو آپؐ کی رسالت سابقہ تمام انبیاء کی رسالت پر سبقت رکھتی ہے کیونکہ آپؐ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالی نے معراج کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت المقدس کا سفر کرایا جہاں پر آپؐ نے تمام انبیاء کی امامت کرواتے ہوئے نماز پڑھی۔ سفر معراج سے آپ کی رسالت کی فضیلت اور انبیاء میں مقام و مرتبہ واضح ہو جاتا ہے اور یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام سابقہ امتوں سے زیادہ دہ بیت المقدس اور اور مسجد حرام دونوں عبادت گاہوں پر کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت زیادہ حق رکھتے ہیں۔

3) آپ ﷺ نبی القبلتین ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کی تولیت کے ساتھ ساتھ بیت المقدس کی بھی تولیت نصیب ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں سابقہ تمام انبیاء کی خصوصیات جمع ہو چکی ہے۔ اس حوالے سے علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہونے کی وراثت دو بیٹوں حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں منقسم چلی آرہی تھی لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کی نبوت کی خصوصیات جمع ہو گی۔ گویا رسالت ابراہیمیہ کی حقیقت جو خاندان اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی وہ ذات محمدی صلی

اللہ علیہ وسلم میں جمع ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی القبلتین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قبلوں کی تولیت نصیب ہوئی ہے۔[20]

4) آپ ﷺ کی رسالت آفاقی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت آفاقی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سابقہ امتوں سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہودی اور عیسائی اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا لازم وملزوم ہے اور اگر یہ یہودی اور عیسائی الہامی مذاہب کے حیثیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے منکر ہوتے ہیں تو انہیں کافر ومشرک ہی شمار کیا جائے گا اور اس لحاظ سے یہ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی تولیت کے حق دار نہیں ہے اور نہ ہی یہ اللہ کی عبادت گاہوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہود اور مسلمان دونوں کے مابین بیت المقدس کی تولیت کا معاملہ نہایت ہی سنگین حالات سے دوچار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود امت مسلمہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے انکاری ہیں اور محض اولاد یعقوب ہونے کی حیثیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور اقتدار کو واپس حاصل کرنے کے لئے ارض فلسطین پر مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

5) بیت المقدس کی تولیت ایمان کا تقاضہ

عصر حاضر میں یہود ونصاری اپنی تمام سرکشی کے ساتھ مسلمانوں ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس حوالے سے وہ ارض مقدس فلسطین پر مسلمانوں کی شہریت ختم کرنے اور انہیں اپنے ملک سے نکالنے کے لئے عسکری وسائل کو استعمال کر رہے ہیں۔ مسلمان یہود ونصاری کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہیں۔ یہود مسجد اقصیٰ کو ختم کرنے کے درپے ہے اور اس کے جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ سلیمان علیہ السلام کے دور اقتدار دوبارہ قائم کریں اور یہاں سے پوری دنیا پر اپنی حکمرانی کریں لہذا یہاں امت مسلمہ کا امتحان ہے کہ وہ اپنے شرعی حق کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کے گھر کی حفاظت کریں اور یہود ونصاری کے مذموم عزائم سے اس پاک سرزمین کو نجات دلائیں۔

حاصل بحث

مندرجہ بالا تحقیق سے یہود اور مسلمانوں کے دعوی ملکیت کی حیثیت کا فرق واضح ہوا ہے کہ مسلمان اپنے دعوے میں تاریخی ونسبی اور ایمان وعمل لحاظ سے درست ہیں۔ اگرچہ یہود کی تاریخی ونسبی وابستگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہود ونصاری اپنے انبیاء کی تعلیمات کو فراموش کرکے کفار ومشرکین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں۔ جس کا

تذکرہ اوپر تقابلی جائزے میں ہو چکا ہے۔ یہود و نصاریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے سابقہ انبیاء سے تعلق کو تسلیم نہیں کرتے۔ جو ان کے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس اعتبار سے یہود بیت المقدس پر مسلمانوں کے حق تولیت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ سابقہ خود پسندی اور تکبر کی کیفیت میں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں جس کی وجہ سے فلسطین میں مقیم مسلمان اپنے حق کے لیے سراپا احتجاج ہیں.

ارض مقدس پر مسلمانوں کی تولیت علمی و تحقیقی اعتبار سے ثابت ہو چکی ہے۔ عصر حاضر میں اگر یہود کے دعوے ملک کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر آج کے مشرکین بھی بیت اللہ کی تولیت کا دعوی کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ یہ دونوں ہی مسلمانوں کی مقدس مقامات پر اپنی مذہبی بالادستی قائم کرنے کے لئے ہر اعتبار سے کوشش کر رہے ہیں۔ تاکہ اسلام کو ختم کیا جا سکے اور کفر و شرک کے نظام کو نافذ کیا جا سکے۔ کچھ عرصہ قبل بخاری شریف میں سے فتح مکہ کا حوالہ دیتے ہوئے ایک ہندو مقالہ نگار نے خانہ کعبہ پر ہندوؤں کا حق تولیت ثابت کرنے کے لیے خانہ کعبہ کا یہ نقشہ کھینچا کے مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے سے پہلے یہاں پر بتوں کی پرستش عام تھی۔ آباؤ اجداد کے زمانے سے لوگ دیوتاؤں کے سامنے اپنی حاجات رکھتے اور ان ہی کی عبادت کی جاتی تھی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں بت پرستی کوئی نئی عبادت نہ تھی۔ مگر مسلمانوں نے ظلم و جبر سے مکہ فتح کیا اور ہمارے آباؤ اجداد سے چھینا اور چھیننے کے بعد اسلام کو تلوار کے ذریعے اور زور زبردستی کے ہم پر نافذ کیا۔ اس وقت سے آج تک خانہ کعبہ مسلمانوں کے قبضے میں چلا آ رہا ہے۔ اس زاویے سے مسلمانوں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کی سرزمین اور عبادت گاہ کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے مذہب کو اپنی سرزمین پر نافذ کر سکیں کیونکہ مسلمان مکہ پر اپنا سیاسی اور مذہبی حق نہیں رکھتے۔ لہذا اس بحث کے بعد وہ تمام مقدس مقامات جو انبیاء کرام نے اللہ تعالی کی عبادت کے لیے بنائی اور اپنی پوری زندگی صرف خدائے واحد کی عبادت اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے وقف کی ان مقامات پر کسی بھی کفر و شرک کے حامل مذہب کی بالادستی یا تولیت نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ کی بنائی ہوئی عبادت پر اہل ایمان حق رکھتے ہیں تاکہ وہ اللہ کی تعلیمات کے مطابق نظام کا نفاذ کر سکیں۔

مندرجہ بالا ہندو محقق کے دعویٰ میں قابل غور امر یہ ہے کہ کیا ہندوؤں کے اس دعوے کو قبول کر لیا جائے یا نہیں؟ یقیناً کوئی بھی مسلمان اس دعویٰ کو قبول کرنے کے لئے کسی صورت بھی تیار نہیں ہو سکتا کیونکہ خانہ کعبہ مسلمانوں کے آباؤ اجداد کے صف اول پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ تعالی کے حکم سے اس کو خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا نہ کہ بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کے لیے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہود ہو یا ہندو یہ دونوں اقوام خانہ کعبہ پر اور بیت المقدس پر اپنے حق تولیت میں منصفانہ کردار ادا کرتے ہوئے نہیں دکھائی دیتیں۔

حوالہ جات

(1) جواد علی، (ت ۱۴۰۸ھ) المفصل فی تاریخ الاسلام، دار الساقی، بیروت، ط ۴، ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء، اسماعیلیون: ۲/ ۸۷۔

(2) القرآن سورۃ المائدہ آیت ۲۵

(3) القرآن سورۃ الاسراء آیت ۱

(4) متعدد مؤلفین، موسوعہ سفیر للتاریخ الاسلامی، بعثتِ رسول: ۱/ ۲۵۔

(5) ایضاً، خلافت عمر: ۱/ ۹۱۔

(6) آل عبد المحسن، ابراہیم بن عبید، تذکرۃ اولی النھی، مکتبۃ الرشید، ط ۱، ۱۳۲۸ھ / ۲۰۰۷ء۔

(7) کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۲۰۱۹ء، پیدائش، باب ۱۲، آیت: ۱-۱۷

(8) پیدائش، باب ۴۸، آیت: ۲۱

(9) تورات (گنتی)، باب ۱۳، آیت: ۳۰

(10) تورات (گنتی)، باب ۱۴، آیت: ۳۰-۳۳

(11) تورات (استثناء)، باب ۴، آیت: ۲۳-۲۴

(12) ول دیورانت، ویلیام جیمس دیورانت (ت ۱۹۸۱ء) قصۃ الحضارۃ، دار الجیل، بیروت، ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸م: ۲/ ۳۶۵۔

(13) القرآن سورۃ آل عمران آیت ۶۷

(14) القرآن سورۃ البقرہ آیت ۱۴۰

(15) مسلم بن الحجاج القشیری، (۲۶۱ھ)، صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۴ھ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب تحویل القبلۃ من القدس إلی الکعبۃ، الرقم (۵۲۵)، ج ۱، ص ۳۷۴

(16) احمد بن شعیب النسائی، (ت ۳۰۳ھ)، السنن الصغریٰ، حلب: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، ط الثانی، ۱۴۰۶-۱۹۸۶، کتاب المساجد، باب ذکر أي مسجد وضع أولا، الرقم (۶۹۰)، ج ۲، ص ۳۲

(17) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثۃ مساجد، الرقم (۱۳۹۷)، ج ۲، ص ۱۰۱۴

(18) سرجانی، راغب، فلسطین حتی لا تکون اندلسًا اخری http://www.islamweb.net

(19) القرآن سورۃ النساء آیت ۱۵۰

(20) سید سلیمان ندوی، (ت ۱۹۵۳ء)، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی: دار الاشاعت ۲۰۰۴ء، ج ۳، ص ۲۴۶